

ڈاکٹر فوزیہ اسلم
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، نمل اسلام آباد

غلام فرید
لیکچرار، شعبہ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

اردو ادب کی تنقید: تجزیاتی مطالعہ

Urdu inshaya while reaching to twenty first century has become an accepted fiction form after reversing through the debate of denial and acceptance. Apart from many established inshaya writers a great number of critics have discussed the term inshaya. The research work of this article deals with the analytical study of different inshaya critics depicting the impressions and reflections of this genre.

ادب کی تاریخ میں اردو ادب کی ایہ اہم صنف ہے۔ اردو میں اس کا قاعدہ آغاز ۱۹۶۱ء میں ونہ آغا کے ادب کی مجموعے ”خیال پڑے“ سے ہوا۔ ہم ادب کی تنقیدی کام کا آغاز اس وقت ہوا۔ اس کے حوالے سے مبہم آراء سامنے آئے۔ شروع ہو N اور اس صنف میں اور افراد تفری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ڈاکٹر انور سید کی کتاب ادب کی تاریخ میں ادب کی پہلی قاعدہ تنقیدی کتاب ہے جو ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کے بعد اردو ادب کے کئی قدین نے ادب کے حوالے سے تنقیدی کتب لکھیں جن میں ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر بشیر سیفی، جمیل آذر، اکبر حمیدی اور ڈاکٹر ونہ آغا وغیرہ سرفہرہ ہیں۔ یہاں ادب کے حوالے سے لکھی جانے والی کتب اور ادبی رسائل میں پڑنے والے مضامین میں سے چند اہم تنقیدی جالہ پیش کیا جاتا ہے۔

تنقیدی کتب

۱۔ ادب کی تاریخ میں	ڈاکٹر انور سید	۱۹۸۵ء
۲۔ ادب کی تاریخ	ڈاکٹر جلیل وششٹ	۱۹۸۵ء
۳۔ ادب کی تاریخ	ڈاکٹر سلیم اختر	۱۹۸۶ء
۴۔ ادب کی تاریخ	شہزاد قیصر	۱۹۸۸ء
۵۔ اردو میں ادب کی نگاری	ڈاکٹر بشیر سیفی	۱۹۸۹ء
۶۔ ادب کی تاریخ	اکبر حمیدی	۱۹۹۱ء
۷۔ ادب کی تاریخ اور ادبی سوچ	پروفیسر جمیل آذر	۲۰۰۴ء
۸۔ ادب کی تاریخ: وصال	ڈاکٹر ونہ آغا	۲۰۱۲ء

مضامین

- ۱۔ انور سید کے آئیے جمیل آذر اوراق ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۱ء
- ۲۔ غلام جیلانی اصغر کی آئیے نگاری ڈاکٹر انور سید اوراق مئی، جون ۱۹۸۳ء
- ۳۔ آئیے نگاری سے مربوط ہے جمیل آذر اوراق مئی، جون ۱۹۸۳ء
- ۴۔ انور سید کے آئیے اکبر حمیدی اوراق اکتوبر، نومبر ۱۹۸۵ء
- ۵۔ انور سید کی آئیے نگاری مناظر عاشق ہرگانوی اوراق مارچ، اپریل ۱۹۸۶ء

”آئیے اردو ادب میں“ ڈاکٹر انور سید کی تنقیدی کتاب ہے جسے ۱۹۸۵ء میں مکتبہ فکر و خیال نے لاہور سے شائع کیا۔ کتاب کے کل صفحات ۳۲۰ ہیں۔ کتاب کا فلیپ اعجاز فاروقی، ڈاکٹر انور محمود، میرزا ادیب، احسن بی بی، غلام حسین اظہر اور فیض احمد فیض نے لکھا ہے۔ ان تمام قدین نے انور سید کی ادب شناسی اور گہرے تنقیدی شعور کی داد دی ہے۔ ان قدین کے خیال میں ”آئیے اردو ادب میں“ آئیے کی پہلی ذمہ دارانہ تنقیدی کتاب ہے۔

کتاب کے آغاز میں رشید رنے ”انور سید کی قلمرو“ آئیے کے عنوان سے دیباچہ لکھا ہے۔ دیباچے میں انھوں نے اس کتاب کی وضاحت کی ہے کہ جو انور سید خود بھی آئیے نگار ہیں اس لیے انھوں نے آئیے کی تاریخ، وصال، مزاج اور اس کے مستقبل کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر انور سید نے آئیے کے بکھرے ہوئے اوراق کو اکٹھا کیا اور اس فرق کو واضح کیا کہ تکنیکی اعتبار سے آئیے، مزاحیہ مضامین سے امتیاز کا حامل ہے۔ ڈاکٹر انور سید نے کتاب کو دس ابواب میں منقسم کیا ہے۔

* ب۔ اول آئیے کے فن کا اجمالی جائزہ پیش کرتا ہے۔ یہ ب۔ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں انھوں نے آئیے کا مفہوم اور تعریف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انگریزی ادب میں چار سو پچھلی آئیے کی روایت سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اردو میں آئیے نگاری کا آغاز ’ہوا؟ نیز اس کے واضح: وصال‘ سامنے شروع ہوئے؟ ان کا بیان اس ب۔ کے پہلے حصے میں کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ آئیے کے فن پر بحث کرتا ہے۔ انھوں نے آئیے کو موضوعی اور داخلی صنف اظہار قرار دیتے ہوئے آئیے نگار کے داخلی پہلوؤں کے حوالے کیے ہیں۔

* ب۔ دوم ”یورپ میں آئیے کی روایت“ کے عنوان سے ہے۔ یورپ میں آئیے کا ب۔ بی مؤثرین کو کہا جاتا ہے۔ ہم اس بیان کی حیثیت اختلافی ہے کیونکہ مؤثرین کے آئیے محض آئیے کی داخلی حرکات کے عکاس ہیں جبکہ بیکن آئیے میں داخلی کیفیات کو خارج کے تجزیوں کے ساتھ مضبوط کر کے پیش کرتا ہے۔ اس لیے انور سید کے خیال میں بیکن کو ہی آئیے نگاری میں اولیت کا اعزاز حاصل ہے۔ بعد میں آنے والے آئیے نگاروں میں سٹیل، لیسن، جانسن، چارلس لیپ اور ورجینیا وولف وغیرہ شامل ہیں۔

* ب۔ سوم میں اردو آئیے نگاری کے پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ انور سید نے اردو آئیے کے آغاز کو مغرب سے مشروط قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں اردو آئیے کے اولین: وصال سرسید کے مضامین میں آتے ہیں جو سیکلٹیر اور ٹیپلر کے مضامین سے مستعار لیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ڈاکٹر وھٹ کی اس رائے کو بھی اہمیت دی ہے کہ اردو آئیے کا ب۔ بی ملا دجہی ہے۔ ڈاکٹر انور سید کی اس طرح کی آراء نے آئیے کی ابتدا کئے۔ رے میں پیش کیے گئے آئیے کو خاصا الجھاؤ ہے کیونکہ انھوں نے زمانی ماحول کو طاق رکھ کر اس طرح کے نکات بیان کر دیے ہیں۔

* ب چہارم میں عہد سرسید کی یہ نگاری کو موضوع بنا ہے۔ ان کے خیال میں محمد حسین آزاد، مولوی محمد امجد، الطاف حسین حالی، مولوی ذکاء اللہ، عبدالحلیم شرار اور وحید الدین سلیم کے مضامین کی عینے کا نقش اول قرار دیے جا رہے ہیں۔ ب ”یہ نگاری کی پیش قدمی“ کے عنوان سے ہے۔ اس دور میں ایسے نگار شامل ہیں جن کی دہ ورش تو مشرق میں ہوئی تھی، ہم تخلیقی عمل میں انھوں نے مغرب کی روایت سے استفادہ کیا اور یوں مشرقی اور مغربی اسالیب کے امتزاج سے اردو کی نیا - قدم اور آگے بڑھا۔

چھٹا ب ”یہ نگاری کا عبوری دور“ کے عنوان سے ہے۔ اس دور میں وہ نگار شامل ہیں جنھوں نے قیام پاکستان کے بعد اس صنف کے: وصال کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان نگاروں میں نصیر آغا، ڈاکٹر داؤد رہبر، جاوید صدیقی اور ممتاز مفتی وغیرہ شامل ہیں۔

* ب ہفتم کی عینے کے دور زریں کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ دور کی عینے کا قاعدہ آغاز کا دور ہے۔ اس دور کے اولین شہسواروں میں ونہ آغا، مہدی ہیں جنھوں نے اردو کی عینے میں تہذیب کی شخصیت کی نمود کھائی۔ کیا ہے اس کے بعد غلام جیلانی، اصغر، مشتاق قمر، جمیل آذر، سلیم آغا، قزلباش، نظیر صدیقی، مہکور حسین، داؤد ارشد میر وغیرہ کی مہر فرمیں۔

آٹھواں ب ”اردو کے گمشدہ نگار“ کے عنوان سے ہے جس میں محمود شام، انجم راہ، بھٹی، جاوید انور، عاصی کھلی اور پروفیسر عالم وغیرہ کی مہر فرمیں۔ یہ وہ نگار ہیں جنھوں نے کی عینے کا تخلیقی عمل میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ہم کچھ وقت آنے کے بعد وہ نگار کی بھول p میں کھو گئے اور کی عینے کے فن سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ایسے تمام نگاروں کو ڈاکٹر انور سدید نے گمشدہ نگاروں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

* ب نہم اردو کی عینے کے نئے مومن کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس ذیل میں وہ تمام نگار شامل ہیں جنھوں نے کی عینے کے دور زریں میں کی نگاری کا آغاز کیا اور ”اوراق“، ”فنون“، ”ماہ نو“، ”خیال“ اور ”اردو بن“ جیسے رسائل سے کی نگاری کے رجحان کو اپنا لیا۔ ب ”حاصل مطالعہ“ کے عنوان سے ہے اور کی عینے کے حوالے سے مجموعی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ انور سدید کا تنقیدی مزاج خالص تخلیقی ہے وہ کی عینے کے مزاج، اس کے تشکیلی عناصر اور کی نگار کی شخصیت کو موضوع بحث بناتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی اور اردو کی نگاروں کے تقابلی مطالعے سے اردو کی عینے کے: وصال کو واضح کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر انور محمود خالد

”یہ اردو ادب میں اپنی ہم موضوع کتابوں میں یوں ممتاز ہے کہ یہاں مصنف نے انگریزی اور اردو

ادب کا وسیع مطالعہ کرنے کے بعد کی عینے کی حقیقی حدود واضح کی ہیں اور یہ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی ہے

کہ یہ صنف طنزیہ و مزاحیہ مضمون کی دواں بہن ہے۔

ڈاکٹر انور سدید ا - کثیر المطالعہ دہیں اس لیے وہ اپنی ت کو واضح کرنے کے لیے مغربی تنقید کے حوالے بھی لے کر آتے ہیں جس سے ان کی تنقید میں امتزاجی خصوصیات ہونے لگتے ہیں۔

”یہ بچپنی“ ڈاکٹر جاوید وشن کی تخلیقی و تنقیدی نوعیت کی کتاب ہے۔ یہ ۱۹۸۵ء میں وچیتا آ ? پ نٹرنی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۲۳ ہے۔ کتاب کا دیباچہ ”صنف کی اور کی بچپنی“ کے عنوان سے ڈاکٹر جاوید وشن نے خود لکھا ہے جبکہ کتاب کا قیام حصہ ان کے ذاتی کیوں مشتمل ہے۔ دیباچے میں انھوں نے کی عینے کی ابتداء کے حوالے سے مختلف آیت کو بیان کیا ہے۔ ان کے خیال میں اردو قدیم کی آج - مغربی صنف (Essay) کے پس منظر میں کی عینے کی صنف کے: وصال تلاش کرتے رہے ہیں اور اسی کی دینا کر سرسید احمد خان، محمد حسین آزاد، میرزا صر علی کواردو کے اولین نگار قرار دیتے رہے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر جاوید وشن نے کی عینے

کے آغاز کے حوالے سے پیش کی جانے والی ان آراء سے اختلاف کیا ہے اور 5 وجہی کو اردو کا اولین ۴۱۱ یہ نگار قرار دیتا ہے۔ اس کی وضاحت # میں وہ کہتے ہیں کہ آچر سید عہد میں ۴۱۱ نے انگریزی ادب سے استفادہ ضرور کیا۔ ہم یہ بت خلاف حقیقت ہے کہ اردو ۴۱۱ نے انگریزی ادب سے مستعار لیا۔ H ہے۔ وہ اردو ۴۱۱ نے تخلیق کا عہد وہی بتاتے ہیں جس عہد میں مؤثرین نے ۴۱۱ نے تخلیق کا سہرا اپنے سر پہنچا۔ یوں وہ ”& رس“ کو اردو ۴۱۱ نے کا پہلا تجربہ قرار دیتے ہیں اور کن کی سرزمین کو اس کی جائے پیدائش کہتے ہیں۔

& رس کا & سے U ہی اردو Z کی ا۔ صنف کی تخلیق کا مو۔ # بن چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان ۴۱۱ یوں نے قصہ حسن و دل کے درمیان جہاں تہاں ایسے رخنے ڈالے ہیں کہ تسلسل کی / * یں پڑھ رہے ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان ۴۱۱ یوں کی D اور D بھی تناور در # کی طرح مستحکم و مضبوط ہے۔ ۲

ڈاکٹر جاوید وحید نے اطلاقی تنقید کے اصولوں کو پیش A p ہوئے۔ قدین کی آراء کی روشنی میں اپنی تنقیدی راہیں متعین کی ہیں۔ ہم انھوں نے اپنی ذاتی رائے اور اختلافی نکات کو بھی واضح کیا ہے۔ یوں ان کی تنقید A تینی اور اطلاقی دونوں طرح کے امتزاج کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

”۴۱۱ کی Q ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقیدی کتاب ہے جسے سنگ میل A X نے ۱۹۸۶ء میں لاہور سے شائع کیا۔ سترہ ابواب میں منقسم یہ کتاب ۴۱۱ نے کے مباحثات، اس کے اسلوب اور V فنی جہات کا احاطہ کرتی ہے۔ ۴۱۱ ب میں ڈاکٹر سلیم اختر نے ضمیمہ جات کے عنوان سے مشاہیر کی آراء کو شامل کیا ہے جن میں احمد، یم قاسمی، انتظار حسین، سجاد، قررضوی، ظفر اقبال، / * گی، ڈاکٹر سہیل احمد خان، صدیق سالک اور ڈاکٹر اے۔ بی اشرف وغیرہ شامل ہیں۔ بقول سید مشکور حسین: د

ڈاکٹر صا # نے اردو میں پہلی مرتبہ صحیح معنوں میں تفصیل کے ساتھ صنف ۴۱۱ کی تنقید کا موضوع بنایا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پہ نہایت وسعت A اور ژرف نگاہی سے روشنی ڈالی ہے۔ ۳ کتاب کا پہلا باب ”لیئے مغرب میں“ کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون کے آغاز میں لکھتے ہیں۔ اے قاری! یا۔ نہایت ۴۱۱ دارانہ کتاب ہے لہذا آغاز ہی میں تنبیہ کر دی جاتی ہے کہ واحد مقصد تحریروں ذاتی اور گھر W ہے۔ مجھے نہ تو آپ کی: مت مقصود ہے اور نہ ہی حصول، موری، ایسا منصوبہ میری قوت سے ہر ہے۔ ۴

ایسا خطیبانہ از تحریک تنقید کے بیا 6 کوشش نقصان پہنچتا ہے۔ ایسے میں تنقید: ات خود کوئی اخلاقی سبق بن کر رہ جاتی ہے اور د تنبیہ و سرزنش کا آلہ کار لگنے لگتا ہے۔ اس باب میں آگے چل کر وہ مغرب میں ۴۱۱ نے کے آغاز پہ ت کرتے ہیں اور مؤثرین کو اولین ۴۱۱ یہ نگار قرار دیتے ہیں۔ یہاں ڈاکٹر سلیم اختر نے پہلی ر مؤثرین کے حوالے سے بی تفصیل سے معلومات بھی فراہم کی ہیں۔ بقول سید مشکور حسین: د اس سے قبل O حضرات ۴۱۱ نے کے ضمن میں مؤثرین کا ذکر تو کرتے تھے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا لیکن یہ ذکر، اے م ہو، تھا اور قاری غریب مؤثرین سے متعلق مزید کچھ جاننے کا شدت سے خواہش مند ہو کر رہ چکا تھا۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے نہ صرف مؤثرین کی فہ کی گئی۔ رے میں ہمیں بہت کچھ بتایا بلکہ اس کے ۴۱۱ یوں کے ضروری ضروری اقتباسات بھی دیے ہیں جن سے یقیناً ۴۱۱ کو سمجھنے میں بے حد مدد ملتی ہے۔ ۵ دوسرا باب ”۴۱۱ کا f ع“ کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں ان کا تنقیدی زاویہ نگاہ حد درجہ اطلاقی ہو چکا ہے اور وہ قدین کی

آراء کی روشنی میں اپنے آیت پیش کرتے ہیں۔ تیسرے ب ”آ“ یہ میں خیال کی گئی ہے۔ اس ب میں ڈاکٹر سلیم اختر نے محمد حسین آزاد کی آ“ یہ نگاری اور ان کے آ“ یہ اسلوب پھل کھلنے کی ہے۔

چوتھے ب میں ڈاکٹر سلیم اختر نے آ“ یہ کے اسلوبیاتی عناصر پ* ب کی ہے اور صنف آ“ یہ کو مدہ p ہوئے کسی بھی صا # اسلوب ادبی کا م شامل کرنے سے کچھ ہی نہیں۔ تی* ب پنجم میں وہ آ“ یہ کی اصطلاح کو نہ بحث لاتے ہیں۔ حالانکہ آ“ یہ ب کتاب کا ب اول ہوتا چاہیے تھا کیونکہ آ“ یہ کے مباحثات اور اس کے اسلوب پ* ب کرنے سے قبل قاری کے لیے آ“ یہ کی اصطلاح کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس ب میں انھوں نے اطلاقی تنقید کے اصولوں کو پیش آ رکھا ہے اور آ“ یہ قدین آ“ یہ جن میں ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر ونہ آغا، ڈاکٹر اختر اور یونیورسٹی وغیرہ شامل ہیں کی آ“ یہ کی اصطلاح کے حوالے سے آراء کو پیش آ رکھا ہے، ہم ڈاکٹر سلیم اختر کا اپنا نکتہ آ“ یہ لکل مبہم ہو کر رہ چکا ہے اور اور ان کی تنقید سائنسی فارمولہ معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی کی اس تحقیق کے ساتھ ڈاکٹر آدم شیخ کی اس رائے کو بھی شامل کر لیا جائے۔ بت کہاں سے کہاں۔۔۔ جا پہنچتی ہے کیونکہ ان کے بمو. # تو عربی ادبیات میں آ“ یہ تحریروں کا سراغ عہد قدیم سے جاملتا ہے۔ ۶

چھٹے ب ”آ“ یہ کے مباحثات کے عنوان سے ہے لیکن اس ب میں ڈاکٹر سلیم اختر نے آ“ یہ کے مباحثات کو پس پشت ڈال کر آ“ یہ اور آ“ یہ نگار کے نفسیاتی پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا ہے جس کی وجہ سے آ“ یہ صنف ادب کم اور نفسیات کی اصطلاح زیادہ معلوم ہونے لگتی ہے۔

یوں نفسیات میں علیحدہ سے اس کی کوئی واضح اصطلاح نہیں ملتی لیکن مریض اور معالج کی ۵۰ منٹ کی ایسی 5 قات کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مریض کی شخصیت میں جھانکا جائے، مریض کی اکھڑی اکھڑی ب توں اور عام # از گفتگو سے ہٹا ہوا طائر گفتار بہت سے گوشوں سے وہ ہٹا دیتا ہے۔ آ“ یہ کا بھی کچھ ایسا ہی مقصد آ“ یہ ہے۔ ۷

ساتواں ب ”آ“ یہ کیا نہیں کے عنوان سے ہے۔ اس ب میں انھوں نے ان تمام غلط توضیحات اور تشریحوں کی آ“ یہ کی ہے جنہیں عام طور پر صنف آ“ یہ کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ ساتواں، آٹھواں اور نواں ب ڈاکٹر سلیم اختر کی نفسیاتی دروں بنی کی رہے۔ آ“ یہ ہے۔ ان ابواب میں انھوں نے آ“ یہ اور آ“ یہ نگاروں کو نفسیات کے آ“ یہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے جس سے ان کی تنقید چھوٹی تی C دوں استوار ہونے کی بجائے نفسیاتی دروں بنی کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔

دسواں ب آ“ یہ کے اسلوب کا احاطہ کرتا ہے جبکہ رہویں ب میں آ“ یہ کے مزاج اور اس کے حوالے سے زگی فکر کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ہواں ب ”آ“ یہ میں تنوع کے عنوان سے ہے۔ آ“ یہ کی صنف تنوع اور رنگاری سے عبارت ہے یہ واقعات اور اشیاء کے \$ نئے پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس لیے آ“ یہ نگار \$ نئے اور متنوع مضامین کو پیش کرتا ہے۔ تیرھواں * ب آ“ یہ اور قاری کے رشتے کو بیان کرتا ہے۔ ادب کا ا- عام قاری # آ“ یہ بڑھتا ہے تو د ۷ اصناف ادب کی conditioning کی وجہ سے اُسے جا بجا بوجھل پن اور اکتاہٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ا- آ“ یہ نگار کے لیے قاری کی اس نفسیاتی ضرورت کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

”آ“ یہ کا زوال“ میں سلیم اختر نے آ“ یہ بنا کر آ“ یہ کے ۵۰% حصہ کا عہد بہ عہد جلوہ لایا ہے۔ اسی طرح ”آ“ یہ کدھر“ کے

عنوان کے تحت انھوں نے اس بے زور ڈیڑھ ہے کہ ہر صنف ادب کی طرح یہ سہ میں بھی اپنی سرزمین اور ثقافت کے رے۔ واضح طور پر آتے ہیں۔ *گفتنی، عنوان کے تحت بہت سے قلم کاروں کی مختصر آراء کے لئے کئے گئے ہیں جو اختصار کی وجہ سے پھر رائے دہندہ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے کسی بھی نکتے کا دور و مفہوم کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح ۱۹۷۶ء ب۔ ”یہ اور اہل علم“ میں ضمیمہ کے طور پر قدین کے آراء شامل ہیں۔ ان میں سے چند آراء بحث سے متعلق ہیں جبکہ باقی اہل قلم نے رواروی میں رائے دی ہے۔ تنقید میں ڈاکٹر سلیم اختر کا خاص موضوع نفسیات ہے۔ لہذا وہ کسی بھی صنف بحث کرتے ہوئے اس خاص موضوع کو فراموش نہیں کرتے۔ یوں تو انھوں نے ہر ب۔ میں اپنے نفسیاتی شعور اور اس موضوع سے خاص لگاؤ کا اظہار کیا ہے لیکن پ۔ نچوئیں اور چھٹے ب۔ میں کے سہ کی اصطلاح اور مباحثات سے ابتداء کرنے کے بعد تو اس موضوع پر خصوصیت کے ساتھ زور ڈیڑھ ہے اور پھر کے سہ۔۔۔ نفسیات کے آئینہ میں“ تو وہ ا۔ ماہر نفسیات کے طور پر لکل واضح ہو گئے ہیں۔

یہ کا دس ۱۹۸۸ء میں شہزاد قیصر نے مرے کی اور اسے جہاں A X U لاہور نے شائع کیا۔ کتاب کا پیش لفظ شہزاد قیصر نے جبکہ مقدمہ محمد حامد شیخ اسٹنٹ کمشنر لدھراں نے لکھا ہے۔ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم میں کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ کے سہ کا دس میں شری کر نیوالے، قدین و محققین کے مقالات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ اردو کے منتخب کے نیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ”یہ کے مباحث“ کے عنوان سے ڈاکٹر انور سید کا مقالہ ہے جس میں انھوں نے کے لئے کا آغاز اور اس کی مختلف تشریحوں کے حوالے سے عمومی مباحث کو پیش کیا ہے۔ دوسرا مقالہ ”یہ کی تکنیک“ کے عنوان سے ڈاکٹر سلیم اختر نے لکھا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر نے اسلوبیاتی خصائص کو خاص طور پر پیش آ رکھا ہے۔ انھوں نے ایسے کے نیوں کے رویوں پر تنقید کی ہے جنہوں نے کے لئے میں یکساں کو جنم ڈیڑھ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کے لئے میں مزاح کی تکنیک سے زگی افکار کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔

”یہ کا فن“ کے عنوان سے ڈاکٹر بشیر سیفی نے کے لئے کے مباحثات پر بحث کی ہے۔ ہم ان کی تنقید پر مغربی، قدین اور کے نیوں کے اہل ات ڈیڑھ آتے ہیں اس لیے ان کی تنقید میں ر۔ اور تقابلی رے۔ پیدا ہو جاتا ہے۔ ”یہ مجروح اور غا“ میں ڈاکٹر سید معین الرحمن نے اردو کے لئے کے: وخال عہد غا) میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ”یہ سیپ ا۔ آ“ ڈاکٹر طاہر تو ۲ کا مقالہ ہے جس میں انھوں نے کے لئے کے فن اور رے کے حوالے سے پیش کیے جانے والے مختلف مباحث کو سمیٹا ہے۔ ۱۹۷۶ء مقالہ ”یہ ا۔ *مکمل سچائی“ کے عنوان سے فیاض تحسین نے لکھا ہے۔ فیاض تحسین کی تنقید میں ب۔ لیاتی رے۔ یوں ہے۔ انھوں نے کے لئے کی تشکیل میں کے نیوں کی تحریک اور اس کی یو قلمونی کی ضرورت کو بھی اہمیت دی ہے۔ انھوں نے کے لئے سے زگی افکار پر زور ڈیڑھ ہے اور کے نیوں کے حقائق کو قریب سے دیکھنے اور قوت مشاہدہ کے لئے کے نیوں کے لیے محرک قرار ڈیڑھ ہے۔ یوں ان تمام قدین نے فکری آزاد روی کے ساتھ کے لئے کے فن، تکنیک، اسلوب اور موضوعات کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

”اردو میں کے نیوں کی فکری“ ڈاکٹر بشیر سیفی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے چند ضروری ایم کے بعد ۱۹۸۹ء میں یو۔ پبلشرز نے لاہور سے شائع کیا۔ کل صفحات کی تعداد ۲۹۶ ہے۔ کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ب۔ اول کے لئے کے آئی مباحث، مغربی کے نیوں کے اردو اور کے نیوں کی آراء اور کے لئے کی ہیئت طے یوں اوصاف کا احاطہ کرتا ہے۔

دوسرے ب۔ میں ڈاکٹر بشیر سیفی نے کے نیوں اور کے نیوں کی دازی کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ان کے خیال میں کے نیوں کا مختصر کا متقاضی ہے جبکہ کے نیوں کی دازی میں تفصیل و اطناب کا رجحان طے یوں ہے۔ ب۔ سوم میں انھوں نے کے نیوں اور مضمون کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش

کی ہے۔ یہ اپنے مصنف کی بے تکلفی کا غماز ہے جبکہ مضمون میں ایسی بے تکلفی اس کی قطعیت کو ختم کر دیتی ہے۔

چوتھا۔ ب۔ یہ اور طرز و مزاح کے پہلے دور کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں اولین دور کے مزاح نگاروں جن میں مرزا غا (اور اودھ) کے Z نگار شامل ہیں کے مضامین کا یہی کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ * پنچواں۔ ب۔ یہ اور یہی کے لطیف کے عنوان سے ہے۔ یہی کے لطیف سے یہاں مراد وہ تحریروں ہیں جو مغرب میں رومانوی اور جمالیاتی تحریر ۲ سے متاثر ہو کر لکھی گئیں۔ چنانچہ ان تحریروں میں بھی یہی کے اولین : و خال آتے ہیں۔ اردو میں یہی کے لطیف کے پیش روؤں میں میٹر، صرعلی، شرر، مخزن کے بعض قلم کار، سجاد حیدر یلدرم، مہدی افادی، * زفتوری اور جوش ملیح * دی وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر بشیر سیفی نے ان & رومانی کے علمبرداروں کے ہاں یہی کے : و خال ڈھیلے کی کوشش کی ہے۔

”یہ اور طرز و مزاح کا عبوری دور“ کے عنوان سے ڈاکٹر بشیر سیفی نے اودھ کے بعد کے طرز و مزاح نگاروں کے حوالے سے گفتگو کی ہے جن میں سجاد » ری، قاضی عبدالغفار اور 5 رموزی وغیرہ کے شامل ہیں۔ ان & Z نگاروں کی تحریروں میں مزاح کی چاشنی کے ساتھ ساتھ یہی کے بھی ایہ خاص فضا موجود ہے۔ یہاں ڈاکٹر بشیر سیفی کی ایہ * بت قابل اعتراض ہے کہ انھوں نے سجاد حیدر یلدرم کا * م بھی مزاح نگاروں کی فہرست میں شامل کر ڈیا ہے۔ حالانکہ ان کی تحریروں کا طرز و مزاح سے دور علاقہ بھی نہیں۔

ساتواں۔ ب۔ یہ اور طرز و مزاح کے + دور کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ دور فر # اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، B بخاری، عظیم بیگ چغتائی اور شو + تھانوی کی تحریروں سے شروع ہو کر + دور کے مزاح نگاروں - کا احاطہ کرتا ہے جن میں کنہیا لال کپور، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، شفیق الرحمن، مشتاق احمد یوسفی اور کرمل محمد خان وغیرہ کے شامل ہیں۔ اس + ب میں سعادت حسن منٹو کا اضافی معلوم ہوتا ہے کیونکہ جہاں - ان کے خاکوں اور مضامین کا تعلق ہے ان میں گہری سنجیدگی پائی جاتی ہے اور وہ کسی بھی شخصیت کے حوالے سے مزاح کا حربہ قطعاً استعمال نہیں کرتے۔ اس + بت کی وضاحت # آگے چل کر بشیر سیفی نے خود بھی کر دی ہے۔ ”اے منٹو چاہتے تو یہ بھی لکھ + تے“ اس طرح کے بیڑے سے یہ + بت واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر بشیر سیفی غیر منطقی + دوں + ایہ * بت کہہ دیتے ہیں اور بعد میں # غلطی کا احساس ہوتا ہے تو فوراً اپنی بیڑے کی + بت بھی کر دیتے ہیں۔ اس طرح کی خامیاں ان کے معیار X کو کمزور بنا دیتی ہیں۔

آٹھواں * ب۔ ” + یہی کے عنوان سے ہے۔ اس * ب میں انھوں نے + یہی کے پیش روؤں میں ڈاکٹر داؤد رہبر، جاوید صدیقی اور ممتاز مفتی وغیرہ کو شامل کیا ہے جبکہ + قاعدہ یہی لکھنے والوں میں ڈاکٹر ذہن آغا، نظیر صدیقی، مشکور حسین، دہ، مشتاق قمر، جمیل آذر، انور سدید، غلام جیلانی اصغر، سلیم آغا قزلباش، اکبر جمیدی اور رشید احمد گوریہ وغیرہ کے شامل کیے ہیں۔

ڈاکٹر بشیر سیفی کی یہ کتاب چودھ سنہی تحقیق کے لیے لکھی گئی اس لیے اس کا معیار X اطلاقی، تجزیاتی اور تشریحی ہے۔ انھوں نے * قدین کی آراء کو بھی مد + رکھا ہے اور پھر ان کی روشنی میں اپنے آراء کی تشریح بھی کی ہے۔ ان کی تنقید کی ایہ خامی طویل اقتباسات ہیں۔ جہاں محض چار + پنچ لائنوں میں مطلب کی وضاحت # ہو سکتی تھی وہاں ان کے اقتباسات ڈیڑھ ڈیڑھ صفحات سے بھی تجاوز کر گئے ہیں جس سے قاری اکتاہٹ کا شکار ہونے لگتا ہے اور بعض اوقات ان سے صرف آ بھی کر چکا ہے۔

” + اردو یہی “ اکبر جمیدی کی مرتبہ کتاب ہے۔ انھوں نے یہی کے فن * رنخ اور مباحثات کے حوالے سے * قدین کے مضامین جمع کر کے انھیں کتابی شکل دی ہے۔ یہ کتاب ستمبر ۱۹۹۱ء میں اکادمی ادبیات * پستان سے افتخار عارف کی زیر ادارت شائع ہوئی۔ کتاب کا دیباچہ اکبر جمیدی نے خود لکھا ہے جس میں انھوں نے اردو یہی کے فن * رنخ، موضوع اور فن کے حوالے سے * قدین کی آراء کا

سہارا لے کر اپنی تنقید کی عمارت کو استوار کیا ہے۔ ۴۱۱ نے کی تعریف کے ضمن میں وہ نہ آغا کی بیان کردہ تعریف پیش کرتے ہیں۔

۴۱۱ نے اس آئی صنف کا م ہے جس میں ۴۱۱ نے نگار اسلوب کی زہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشیاء

مظاہر کے مخفی مفاہیم کو کچھ اس طوراً فت میں 8 ہے کہ ۴۱۱ نے شعور اپنے مدار سے ای۔ قدم ہر آکرا۔

نئے مدار کو وجود میں لانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ ۸

و نہ آغا کی اس رائے کو شامل کرنے کے بعد انھوں نے سیدھے سادے لفظوں میں اس کی تشریح دی ہے حالانکہ یہاں ان کا نکتہ

سامنے ۴۱۱ ضروری تھا جس سے اُن کے موقف کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ ہم انھوں نے ڈاکٹر و نہ آغا کے مفہوم کو سادہ لفظوں میں ای۔ سطر

کے ۴۱۱ بیان کر کے جان چھڑائی ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات ان کی تنقید پر سائنسی فارمولے لگا گمان آتا ہے۔

اکبر حمیدی کے تنقیدی شعور کی ای۔ اور کمزوری ان کی تنقید میں قطعیت کا فقدان ہے۔ وہ ۴۱۱ نے کے فنی مباحثات کے حوالے سے اپنی

رائے تو دے دیتے ہیں لیکن اس رائے کا ۴۱۱ از حتمی نہیں ہوتا اس لیے ان کی تنقید محض ای۔ بحث بن کر رہ جاتی ہے۔ اس طرح کی تنقید سے قاری

ابہام کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ ان بیانات سے قاری کا ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ ۴۱۱ نے کے

حوالے سے قدیم کے تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے جن میں ڈاکٹر و نہ آغا، ڈاکٹر انور سدید، پروفیسر مہکورو حسین، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر رشید

امجد، جمیل آذر، سلیم آغا، قزلباش اور حامد گی کے مضامین شامل ہیں۔ جبکہ کتاب کا دوسرا حصہ ۲۹ منتخب ۴۱۱ نیول پر مشتمل ہے۔

پہلا مضمون ”اردو ۴۱۱ کی کہانی“ کے عنوان سے ڈاکٹر و نہ آغا نے لکھا ہے۔ انھوں نے ۴۱۱ نے کے ر [اور تشکیل امور

خصوصاً ۴۱۱ نے کے اولین شہسواروں کا ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے ان کی تنقید میں ر [شعور کی جھلک واضح طور پر آتی ہے۔ ”۴۱۱ نے اور

عصری آگہی“ کے عنوان سے ڈاکٹر انور سدید کا مضمون ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کا تنقیدی مزاج اصول سازی کی C پ قائم ہے۔ وہ ۴۱۱ نے

کے تشکیلی عناصر اور اس کے مزاج کے حوالے سے اصول و ضوابط وضع کرتے ہیں۔

ہر چند ۴۱۱ نے آزاد ماحول کا تقاضا کرتا ہے اور پ بندی و محبوس فضا کو قبول نہیں کرتا۔ ہم امر واقعہ یہ بھی ہے کہ

۴۱۱ نے صرف اس دور میں M پ سکتا ہے۔ # ماحول اور حالات سے فرد ای۔ شدید بے اطمینانی کے احساس

میں مبتلا ہو۔ ۹

* ہم بعض اوقات ان کی تنقید کا ۴۱۱ از اطلاقی ہو جاتا ہے اور قدیم کی آراء کو سامنے ر p ہوئے اپنے تنقیدی آئی کی وضاحت #

کرتے ہیں۔ تیسرا مضمون ”۴۱۱ نے بطور ای۔ اصطلاح ادب“ کے عنوان سے مہکورو حسین نے دکا ہے۔ انھوں نے ۴۱۱ نے کے لغوی اور

اصطلاحی دونوں طرح کے معانی کے حوالے سے وضاحت # کی ہے۔ ہم ان کا تنقیدی مزاج محض آئی مباحثہ - محدود ہو جاتا

ہے۔ ”۴۱۱ نے مباحثات“ کے عنوان سے ڈاکٹر سلیم اختر نے ۴۱۱ نے کے عمومی مباحثہ # خصوصاً اس کی تکنیک اور اپنی ت کی

ہے۔ سلیم اختر کی تنقید کا مزاج ادبی C دوں پر استوار ہوتے ہوئے بھی نفسیاتی دروں بنی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ نفسیات کی روشنی

میں ۴۱۱ نے کے مباحثات پر تنقید کرتے ہیں۔

۴۱۱ نے تحلیل نفسی سے پہلے کی چیز ہے، لیکن ۴۱۱ نے کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں اکثر اس نفسی مریض کا خیال بھی

آتا ہے جو تحلیل نفسی کے معالج کے سامنے ای۔ آرام دہ کوچہ ”دیوان“ پ 8 ہوا اپنے الٹے سیدھے

خیالات کا ربط بے ربطی کے ساتھ بے تکلف اظہار کیے جا رہا ہے۔ ۱۰

۷۳

مضمون کا عنوان در & معلوم نہیں ہوتا کیونکہ عنوان میں انھوں نے پچاس سالوں کا ذکر کیا ہے جبکہ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۹۶ء۔ بمشکل ۳۵ سال کا عرصہ ہے۔ ہم آ ان کا ٹی مجموعوں سے قطعاً زمانی اعتبار سے کاٹنے کے ارتقاء کا دور دیکھا جائے تو ۲۰۰۴ء میں اس کتاب کی اشاعت (۱۰۰) اردو کا اپنے ارتقاء کا تینتالیسواں سال اور ہاتھ یوں ہے۔ تجمیل آذر کے اس تنقیدی مضمون کی بہت سی خامی بن جاتی ہے کہ ان کا عنوان ان کے موضوع کی در & وضاحت نہیں کرتا اور وہ تنقید کرتے ہوئے اپنے موضوع کے پابند بھی نہیں رہتے۔

اس کتاب کے دوسرے حصے کے مضامین و نوائے آغا کا کاٹنا، سید سمندر آ میرے آ راے، اردو کا آٹھواں دہائی، دم گفتگو، انور سید کے آٹھویں، ۱۰۰ کا سفر تہلی کے تعاقب میں، جھاڑیوں اور جنگلوں، پہاڑ مجھے بلاتے ہیں، اک طرفہ تماشا ہے، سلیم آغا قزلباش کے آٹھویں، میں سورج اور سمندر، بوڑھے کے رول میں، بولتے سناتے ۱۰۰/۱۰۰، شفیع ہمدانی، سید نگاری اور تجزیہ کا پل کے عوارض کے تحت ہیں۔ یہاں تجمیل آذر کا تنقیدی رویہ توضیحی اور تجزیاتی ہو جاتا ہے اور وہ ۱۰۰/۱۰۰ کی سید نگاری اور تجزیہ کا پل کے عوارض کے تحت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ۱۰۰ کے فنی و فکری پہلوؤں کو بھی ملحوظ رکھتا ہے جس سے کسی بھی ۱۰۰ کی سید نگاری کا فنی و فکری پہلو کو سمجھنے میں سہو ہوتی ہے۔

کتاب کا ۱۰۰ حصہ امین را # چغتائی کے تنقیدی مضمون ”تجمیل آذریہ - سادہ اور خالص ادبی“ اور اکبر جمیدی کے مضمون ”پروفیسر جمیل آذر“ پر مشتمل ہے۔ یہ مضامین تجمیل آذر کے فن کے ساتھ ساتھ ان کے شخصی رجحانات کو سمجھنے میں بھی بہت معاون ہیں۔ دونوں قدین نے تجمیل آذر کے ساتھ قرابہ اور دوستی کی فضا کو قائم رکھا ہے اپنی تنقیدی آراء پیش کی ہیں جس سے ان کی تنقید میں جانبدارانہ رویہ واضح آتا ہے۔

تجمیل آذر کے خالص ادبی ہونے کا - اور ثبوت ہے اسے یوں بھی سچ بولنے اور سچ گننے کی عادت ہے جہاں گفتگو میں کھوٹ آئے وہ اپنی تمام وضع و مدارج لائے طاق رکھ کر اس کا ۱۵ اظہار کرنے سے کبھی رنج نہیں آتا اور مجھے اس کی یہی اچھی لگتی ہے۔ ۱۲

”سید کے: وخال“ ڈاکٹر ونو آغا کی کتاب ہے جسے مکتبہ جامعہ نئی دہلی نے ۲۰۱۲ء میں شائع کیا۔ کتاب کے کل صفحات ۱۸۸ ہیں۔ حرف آغاز و نوائے آغا نے خود لکھا ہے اور اس میں اپنی کتاب کے حوالے سے اس کی وضاحت کی ہے کہ ”سید کے: وخال“ درحقیقت میرے ان تجربات کا نچوڑ ہے جو ۱۰۰ کے فنی و فکری پہلو میں مجھے حاصل ہوئے۔

میں کوئی ۱۰۰ سید لکھتا ہوں تو مجھے اس صنف کا کوئی نہ کوئی چھپا ہوا پہلو ضرور آئینہ ہو جاتا۔

جسے میں اپنے لیے - نئے پتوار کے طور پر قبول کر رہا ہوں کہ کشتی کو ڈمگانے سے روکا جاسکے۔ ۱۳

* ب. اول ”سید کیا ہے“ کے عنوان سے ہے اس میں انھوں نے انگریزی، قدین ۱۰۰ اور مشرق، قدین کی آراء سے پیدا ہونے والی الجھنوں کو بیان کیا ہے جس کی وجہ سے ۱۰۰ کے صنف کو سمجھنا - عام قاری مشکل ہے۔ وہ ۱۰۰ کے لیے کو - غیر رسمی صنف ادب قرار دیتے ہیں جس کے لیے کسی بھی تکلف اور صنائع لفظی کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ۱۰۰ کی عام فہم گفتگو ہے جسے وہ اپنے قارئین - پہنچا چاہتا ہے۔

* ب. دوم ”کچھ اردو کا سید کے: رے میں“ کے عنوان سے ہے۔ ۱۰۰ کی اصطلاح انگریزی اصطلاح ”لائے“ کا متبادل ہے۔ ابتدا میں اس کے لیے ونو آغا اور میرزا ادبی نے اس کے کئی متبادل مسموچے جیسے ۱۰۰ کے لطیف اور لطیف پرہ وغیرہ ہم یہ اصطلاحیں مقبول نہ ہو سکیں۔ ۱۰۰ کی اصطلاح نے مقبولیت حاصل کر لی۔ اس میں ڈاکٹر ونو آغا نے ۱۰۰ کے متبادلات

بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں ۴۱ سیہ ۱۔ بے تکلف بیا 6 ہے جس کو پڑھتے ہوئے قاری کو کسی ذہنی آمادگی اور علمی قابلیت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ۴۱ سیہ پڑھنے والے خود بخود اس کے مفہیم و معانی واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔

”۴۱ سیہ کا سلسلہ ©“ کے عنوان سے انھوں نے ۴۱ سیہ کی ابتداء کو مؤئین سے منسوب کیا ہے۔ مؤئین کے بعد ایسے کی صنف میں اتنا تنوع پیدا ہوا کہ لوگوں نے ہر قسم کے مضامین کو ایسے کہنا شروع کر ڈیا حتیٰ کہ فلسفیانہ موضوعات پر لکھے گئے مضامین بھی ایسے کی ذیل میں آنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ # اردو میں سرسید کی تحریہ۔ بہ حالی اور آزاد نے ایسے لکھنے شروع کیے تو انھوں نے مؤئین کی بجائے ایسے کی اس روایت سے استفادہ کیا جس کا رجحان مغرب میں ان دنوں عام تھا۔ یہی وجہ کہ سرسید اور ان کے معاصرین کی تحریہ ۲ میں کبھی اصلاحی رہ۔ دراصل تھا اور کبھی فلسفیانہ نکات سامنے آنے لگتے تھے۔

چوتھا مضمون ”۴۱ سیہ کی پہچان“ کے عنوان سے ہے۔ ۴۱ سیہ کے حوالے سے ونہ آغا کا کہنا ہے کہ اردو میں اس صنف کو آئے ہوئے کتنا عرصہ رچکا ہے لیکن اس کی پہچان کا مسئلہ ابھی۔۔۔ کھٹائی میں پڑا ہے۔ بعض دفعہ اسے طنزیہ و مزاحیہ ادب کا البدل سمجھا جاتا ہے اور بعض اوقات مختصر افسانے بھی ۴۱ سیہ کا گمان ہونے لگتا ہے۔ ”۴۱ سیہ ۱۔ عظیم صنف ادب“ کے عنوان سے انھوں نے ۴۱ سیہ کی ادبی کو بھی منسوب کیا ہے۔

”۴۱ سیہ کے: وخال“ کے تحت انھوں نے ۴۱ سیہ کی دیں عہد سرسید سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ہم ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ سرسید جو عظیم لفظ ایسے کے مفہوم سے آشنا نہیں تھے اس لیے ان کے مضامین ۴۱ سیہ کے معیار پر پورے نہیں اُتتے۔ مزید، آں ونہ آغا نے اس موقف کی بھی وضاحت # کی ہے کہ اردو ۴۱ سیہ نگاری کا قاعدہ آغاز قیام پاکستان کے بعد ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ ۴۱ سیہ کے لیے جس لطافت اور گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے قبل اردو زبان میں موجود نہیں تھی۔

”دوسرا کنارہ“ ”شاخ زیتون“ ”مغربی ۴۱ سیہ کے اردو“ ”اجم“ ”اردو ۴۱ سیہ کی پیش رفت“ اور ”اردو ۴۱ سیہ کی کہانی“ کے عنوانوں کے تحت ڈاکٹر ونہ آغا نے اردو ۴۱ سیہ کی تاریخ، ابتداء، ارتقاء، فن، ۴۱ سیہ کے مباحثات اور اردو کے مورخین ۴۱ سیہ نگاروں کے اسالیب کے حوالے سے اپنے تنقیدی موقف کی وضاحت # کی ہے۔ ان کی تنقیدی زبان سادہ اور رواں ہے اور ۴۱ سیہ دو مضامین ”تعلی کے تعاقب میں“ اور ”آسمان میں پتنگیں“ کے عنوانوں کے تحت ہیں۔ یہ دونوں ۴۱ سیہ کی مجموعی اثرات اکبر حمیدی اور ڈاکٹر انور سدید کے ہیں۔ ڈاکٹر ونہ آغا نے ان پر تبصراتی اثرات میں تنقید کی ہے اور اردو ۴۱ سیہ میں انھیں ۱۔ اہم اضافہ قرار دیا ہے۔

اکبر حمیدی کے ۴۱ سیہ کی خاص پہچان یہ ہے کہ ان میں شعر و بطور کا مواد استعمال ہوتی ہے۔ نگار کے کلمے رے میں کہلائے ہیں کہ اُ وہ سمندر سے اپنی ابتداء نہ کرتی تو اجسام کی تعمیر و تشکیل کے لیے ا۔ *۔ لکل مختلف قسم کا کچا مواد استعمال کرتی ہے۔۔۔ ان کے ہاں قدم قدم پر خوبصورت امیج اور تمثیلیں ابھری ہیں جس سے ان کی ۴۱ سیہ میں زندگی اور جاذبیت پیدا ہوئی ہے۔ ۱۴

ڈاکٹر ونہ آغا نے نہایت سلیجے ہوئے اثرات میں موضوع اور فن دونوں کے متعلق اظہار خیال کیا ہے اور ۴۱ سیہ کی ر [روایت، جمالیاتی حسن اور ۴۱ سیہ کی تجزیہ کی ۴۱ سیہ کی راہیں متعین کی ہیں ہم کئی ا۔ مقامات پر ان کا اثر *۔ بتی ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معاصر ادبی تحریہ ۲ کے نہایت ان کے افکار و خیالات میں تفہیم کا عنصر ابھرتا ہے جس سے وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر آتے ہیں کہ کون سے خیالات و افکار کو اپنا N اور کن کو ترک کر دیں۔

﴿﴾ یہ نگار کسی بلند مقام پہ کھڑا ہو کر اپنے قاری کو اصلاح کی غرض سے نہ تو کوئی نصیحت کہتا ہے اور نہ اسے طنز و تعریض کے تیروں سے چھلنی کرنے کی کوشش کہتا ہے۔ وہ غلی سطر سے اسے کرم مضحک تصویروں سے قاری کو ہنسانے کی کوشش بھی نہیں کہتا۔ دراصل ہنسا، ہنستا، ہنستا، ہنستا کی فضا پیدا کرتا۔ ﴿﴾ یہ نگار کا منصب نہیں۔ ۱۵۔

عام جیلانی اصغر کا یہ جن خصوصیات کو پیش کرتا ہے ان میں اولیت تئیکے پن کو حاصل ہے۔ یہ نیا وہ گھسے پٹے موضوع کی بجائے*۔ لعموم ایسے موضوعات پہ آئیہ لکھتے ہیں جن پہ پہلے آئیہ نہ لکھا۔ ہوئے آئیہ کی تخلیق میں وہ منطقی قید میں* بند ہونے کی بجائے مرا آئیہ روئے اختیار کرتے ہیں۔ ۱۶

۴۴ یہ نہ گی سے دت کہ نہیں سکھ بلکہ نہ گی کو عطیہ: اہی سمجھ کر اس سے پیار کہ سکھ ہے۔ یہی نہیں بلکہ نہ گی ار نے کا جمالیاتی، روحانی، اخلاقی اور تہذیبی فن بھی سکھ ہے۔ ۱۷

44

ہے اس لیے وہ انور سید کے $\mathbb{R}$ یوں میں سماجی حقیقت نگاری کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔
 ڈاکٹر انور سید کے $\mathbb{R}$ یوں میں تو وہ گے کے ایسے ایسے تلخ حقائق موجود ہیں جنہیں $\mathbb{Q}$ ہوئے بھی اذیت
 محسوس ہوتی ہے لیکن ہمارے جیسے معاشرے میں وہ گے کو ارنے کے لیے نہ صرف ان حقائق کو تسلیم کرنا
 پڑتا ہے بلکہ اپنے آپ کو ان حقائق کے سانچے میں ڈھالنا بھی ضروری ہے۔ ۱۸
 اکبر جمیدی کی تنقید میں تجویز تھی رجحان بھی نکالیں ہے۔ انھوں نے $\mathbb{R}$ یے کے فنی خصائص کو $\mathbb{R}$ پ ہوئے انور سید کے
 $\mathbb{R}$ یوں میں ان خصائص کو تلاش کیا ہے۔

مناظر عاشق ہر گانوی کا مضمون "انور سید کی $\mathbb{R}$ یہ نگاری" کے عنوان سے ماہنامہ اوراق مارچ، اپریل ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ عاشق
 ہر گانوی کا تنقیدی میلان امتزاجی ہے۔ انھوں نے اطلاقی طریق اختیار کرتے ہوئے انور سید کے $\mathbb{R}$ یوں کا تجزیہ کیا ہے۔ ہم ان کی تنقید
 کا یہ سقم غیر ضروری ہے۔ توں اور مباحث کی شمولیت ہے۔ مثلاً وہ بتاتے ہیں انور سید کے $\mathbb{R}$ یوں کی کر رہے ہیں اور تفصیلات نوآبادیاتی جبر اور
 سرمایہ دارانہ $\mathbb{R}$ م کی دی ہیں۔ یہ غیر ضروری تفصیلات استبداد خود ان کی تنقید میں جھنجھلاہٹ اور بورجوا کو جنم دیتی ہیں۔
 نوآبادیاتی جبر کے سیاسی اور سماجی اصولوں کے اطلاقی اور مغربی علمی اور تہذیبی انداز پر مشرقی تہذیب کو
 جانچنے کے مطالبہ پر ایک چھوٹے ہوئے معاشرے کو سرمایہ دارانہ دور میں داخل ہونے کا چیلنج 5۰ معاشی
 غلامی، سیاسی غلامی کا لازمی نتیجہ تھی جسے بلا احتجاج قبول کر لیا۔ 1 H R غلامی کو قبول کرنا اپنا رنخ سے
 دنا دار ہونے کے مترادف تھا۔ ۱۹

اس طرح کی تفصیلات سے نہ صرف طوا کا عنصر جنم 8 ہے بلکہ اس سے ان کے تنقیدی شعور کی کمزوری کا بھی احساس ہوتا ہے
 - مجموعی طور پر # اردو کے سینے کی جانے والی تنقید کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ $\mathbb{R}$ یے کی تنقید میں تنوع موجود ہے اور
 ہر دہائی نے اپنے شخصی مزاج اور علمی قابلیت کے مطابق $\mathbb{R}$ یے کے حسن و قبح کو لکھا ہے۔ ہم یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اے
 0 دے، اتی اور * اتی * $\mathbb{R}$ سے آئے کرتے ہوئے $\mathbb{R}$ یہ نگار کے کلام سے تنقیدی اصول وضع کرنے چاہیے نہ کہ خارجی حقائق کی د
 بنا کر کسی $\mathbb{R}$ یہ نگار کے فن کو تنقید کا $\mathbb{R}$ نہ بنایا جائے۔

حوالہ جات

- ۱۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، (فلیپ) $\mathbb{R}$ یہ اردو ادب میں، از ڈاکٹر انور سید، مکتبہ فکر و خیال، لاہور، ۱۹۸۵ء
- ۲۔ جاوید وھد، ڈاکٹر، $\mathbb{R}$ یہ چھپی، وجیتا آ؟ پٹنر، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵
- ۳۔ مشکور حسین، $\mathbb{R}$ یہ کی دہ خصوصی مطالعہ، فنون، ستمبر، اکتوبر، ۱۹۸۷ء، ص ۲۱۹
- ۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، $\mathbb{R}$ یہ کی دہ سنگ میل A X، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۹
- ۵۔ مشکور حسین، $\mathbb{R}$ یہ کی دہ خصوصی مطالعہ، فنون، ستمبر، اکتوبر، ۱۹۸۷ء، ص ۲۲۰
- ۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، $\mathbb{R}$ یہ کی دہ سنگ میل A X، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۹

- ۷۔ ایضاً، ص ۱۷۰
- ۸۔ اکبر جمیدی (مرتبہ)، ج ۱، اردو، نئی دہلی، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۴
- ۹۔ ایضاً، ص ۲۹
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۳۷
- ۱۱۔ جمیل آذر، پروفیسر، نیا اور اردو ادبی سوچ، نقش آ، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء، ص ۲۵
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۳
- ۱۳۔ ونو آغا، ڈاکٹر، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۲۰۱۲ء، ص ۸
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۳-۱۰۲
- ۱۵۔ جمیل آذر، انور سیدی کے نئے، اوراق، تمیز اکتوبہ، ۱۹۸۱ء، ص ۵۵
- ۱۶۔ انور سیدی، غلام جیلانی، اصغر کی نئی نگاری، اوراق، مئی جون ۱۹۸۳ء، ص ۳۳
- ۱۷۔ جمیل آذر، نئی نگاری سے مربوط ہے، اوراق، مئی جون ۱۹۸۳ء، ص ۳۷
- ۱۸۔ اکبر جمیدی، انور سیدی کے نئے، اوراق، اکتوبہ، نومبر ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۸
- ۱۹۔ مناظر عاشق ہر گانوی، انور سیدی کی نئی نگاری، اوراق، مارچ اپریل ۱۹۸۶ء، ص ۳۹